© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کا سفر حرمین اور اسکے تعلیمی اثرات

پروفیسر عبدالغفور چودھری

شاہ ولی اللہ کا سفر حرمین ان کی زندگی کی شاہراہ پر سنگ میل ہی نہیں ایک روشنی کے مینار کا حکم رکھتا ہے۔ اس کی کرنیں اس عالم مثال یا حظیرۃ القدس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جسے وہ عالم تمثیل سے رنگ دبو کی دنیا میں لانا چاہتے تھے۔ شاہ صاحب نے ارض مقدس کی زیارت کا پروگرام بنایا۔ سولہ سال کے طویل عرصے کی درس و تدریس کے بعد اس وقفے کو انہوں نے ایک زبردست علمی مجاہدے میں صرف کیا تھا۔

شاہ صاحب کو ان کے والد شاہ عبدالرحیم کی طرف سے ان کی زندگی میں ہی درس کی اجازت مل چکی تھی۔[1] وہ الجزء اللطیف میں لکھتے ہیں۔

> میں پندرہ سال کا تھا کہ والد صاحب سے بیعت کی اور صوفیا کے اشغال، خاص طور سے نقشبندیہ مشائخ کے اشغال میں

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مترجمہ عبدالحق حقی کے دیباچہ صفحہ (ف) پر بتایا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۱۳۱ھ میں مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن الجزء اللطیف کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۱۱۴ھ میں ہوئی اور آپ نے پندرہ سال کی عمر میں ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا (دیکھیں الجزء اللطیف ص ۱) رسالہ الرحیم اکتوبر ۱۹۶۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشغول ہوا۔ اس سال بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا۔ والد بزرگوار نے دعوت کا بڑا اہتمام کیا۔ خاص و عام کی ضیافت کی اور درس کی اجازت دی۔"

شاہ عبدالرحیم کی وفات ۱۱۳۱ھ میں ہوئی گویا شاہ ولی اللہ نے اپنے والد کی زندگی میں چار سال تک درس و تدریس کا فریضہ ادا کیا اور اس طرح ان کے سامنے طریق دانشمندی اور طریق کتاب بینی کے ذریعہ پڑھانے کی مشق کی۔ شاہ ولی اللہ رسالہ دانشمندی میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے ان طریقوں کو اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ۱۱۳۱ھ سے ۱۱۴۳ھ تک شاہ ولی اللہ مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کے کام میں مشغول رہے۔ ۱۲ سال مطالعہ کتب اور معقولات و منقولات کی تعلیم میں گزر گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے شاگرد عزیز شیخ محمد عاشق اور چند ایک اور ساتھیوں کو ساتھ لے کر حجاز کا سفر اختیار کیا۔ شیخ محمد عاشق وہی بزرگ ہیں جو حجۃ اللہ بالغہ کی تالیف کے محرک ہوئے۔ شاہ صاحب نے کتاب کے دیباچہ میں ان کے اس شاگردانہ "احسان" کا تذکرہ بڑے دل نشین انداز میں کیا ہے[1]

شاہ صاحب کی زندگی کا تالیفاتی دور سفر حجاز سے ہی شروع ہوتا ہے اور اس کا افتتاح فیوض الحرمین سے ہوتا ہے۔ یہ سفر ان کی طرز فکر اور انداز تحریر ان کے مکاشفات اور مشاہدات کے لئے انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے ان کے سامنے ذہنی اور روحانی تعمیر کی نئی راہیں کھول دیں۔ شاہ صاحب کو خود تو اس داخلی تبدیلی کا احساس تھا۔ لیکن ان کے ملنے والوں اور شاگردوں کو اس تبدیلی کا اور بھی شدید احساس تھا۔

شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں اس انقلاب کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔[2]

"حجاز سے واپس آنے کے بعد والد صاحب کی نسبت باطنی اور علم و تقریر کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔ جو آپ کے پرانے شاگرد تھے وہ آپ کی حالت حاضرہ کا حالت سابقہ سے مقابلہ

---

[1] ملاحظہ ہو دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ

[2] ترجمہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنے تو ان کی نوعیت میں نمایاں فرق نظر آتا تھا۔"

شاہ صاحب کی کتاب فیوض الحرمین ہمارے لئے ایک حد تک اس ذہنی اور روحانی انقلاب کی عکاسی کرتی ہے جو قیام حرمین کے دوران ان پر گزرا۔ اس نے شاہ صاحب کی شعوری زندگی نہیں بلکہ تحت الشعور میں بھی ایک طوفان برپا کر دیا۔ ان کے مکاشفات اور منامات اسی انقلاب کے روحانی پہلو کے آئینہ دار ہیں۔ سفر حرمین کے دوران ان کو اس عظیم مشن کا بھی شعور حاصل ہوا۔ جس کے لئے قدرت ان سے ایک "جارحہ" یا ذریعہ کا سا کام لینا چاہتی تھی۔ ان کے مکاشفات کے دھندلکوں میں بعض الفاظ بجلی کے کوندے کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں اور اس سنگلاخ راستہ پر نشان رہنمائی کا کام دیتے ہیں جس کو شاہ صاحب نے زیارت حرمین کے بعد اختیار کیا تھا۔ مثلاً یہ مکاشفہ "امروز وقت تست و زمان زمانِ تو" یا یہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دور یا زمانے کا ناطق بنایا ہے اور اس کے حکیم کا رتبہ دیا ہے۔ مجھے اس کا قائد اور زعیم مقرر کیا ہے وہ میری زبان سے بولتا اور اس نے میرے نفس میں (اس روح کو) پھونک دیا ہے۔"

اس مشن کے احساس نے ان کے الفاظ میں ایسی خطابت کا رنگ پیدا کر دیا جس میں ایک عظیم جاہ جلالی کی جھلک ہے۔

علموا اولم لیعلموا فان علموا فازوا وان جھلوا خابوا۔

ان کو قائمیت۔ مجددیت اور دورۃ الحکمۃ کے خاتم ہونے کا احساس بھی اسی سفر کے دوران میں پیدا ہوا۔

انقلاب کے نئے القابات ان کی اہمیت

شاہ ولی اللہ کے یہ مکاشفاتی دعوے بیشتر فیوض الحرمین میں ہیں لیکن چند ایک تفہیمات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنے لئے جو مختلف القاب معین کئے ہیں ان میں سے ہر ایک ان کی زندگی کے ایک خاص پہلو اور ان کے عظیم مشن کے کسی خاص شعبہ کی علامتی نمائندگی کرتا ہے مثلاً فیوض الحرمین کے چالیسویں شاہدے میں انہوں نے اپنے آپ کو قائم الزماں کہا ہے۔ اور یہ ان کے سیاسی مطمح نظر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دسویں مشاہدے کے مطابق رسول کریم نے ان کو مقام مجددیت ۔ وصایت اور قطبیت ارشادیہ سے نوازا۔[۱]

بارہویں مشاہدے میں کہتے ہیں کہ انہیں شرعی احکام وقواعد کے معارف کو استنباط کرنے کی خصوصیت عطا کی گئی۔ اس لئے ان کا ایک لقب حکیم دورۂ آخریں ہوا۔[۲]

مجددیت کے لفظ سے کوئی صوفیانہ تعلی مراد نہیں ۔ بلکہ وہ قوت ایجاد واستنباط ہے جس سے احکام کی اصل اور بنیاد کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی مدد سے امت کے افتراق اور اشتقاق کا علاج ہو سکتا ہے۔ قطبیت کے بارے میں وہ اپنے چونتیسویں مشاہدے میں بتاتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد ارشادیت ہے[۳] یعنی لفظ مراتب صوفیا کے کسی منصب کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ ہدایت وارشاد کے پہلو کا اظہار کرتا ہے۔ اکتیسویں مشاہدے میں وہ کہتے ہیں "مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ تمہارے متعلق اللہ تعالےٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تمہارے ذریعے سے امت مرحومہ کے منتشر اجزا کو جمع کردے۔[۵] وصی کا لقب اسی عظیم مشن کی تفسیر ہے۔ پندرہویں مشاہدے میں آپ کا نام "زکی" اور نقاط علم کا آخری نقطہ رکھا گیا۔ ان کی رائے میں یہ القابات اس شخص کا حق ہیں جو تدلی اعظم یا رحمت خداوندی کے مثالی مظہر سے متصل ہو کر گھل مل جاتا ہے۔ اس حالت میں اس میں نئے نئے فقہی مسائل کا استنباط کرنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مجددیت۔ وصایت۔ قطبیت اور طریقت کی امامت ایسے ہی شخص کے مقامات کے مختلف نام ہیں۔

الجزء اللطیف میں شاہ صاحب نے کہا ہے کہ انہیں خلوت فاتحیہ عطا کی گئی۔ "فتح" تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے جس سے سالک کی بسط وانشراح کی ایک خاص کیفیت مراد ہے۔ مگر شاہ صاحب اسے انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی حیثیت میں استعمال کرتے ہیں۔

۱	ایضاً	،،	،،	ص ۱۲۷
۲	،،	،،	،،	ص ۱۴۹
۳	،،	،،	،،	ص ۲۲۹
۵	،،	،،	،،	ص ۲۲۰

© rasailojaraid.com

وہ کہتے ہیں کہ اس آخری دور کی فتح میرے ہاتھ میں رکھی گئی ہے۔ اس سے مراد رحمت خداوندی کی متابعت میں معاشرہ کی شیرازہ بندی اور ان کے افتراق کو اتفاق میں تبدیل کرنا ہے۔

واقعات کی عصری ترتیب

شاہ صاحب کے سوانح حیات اور ان کے مختلف ادوار و سنین کے بارے میں ہمیں زیادہ مواد دستیاب نہیں ہوتا۔

الجزء اللطیف میں ان کی خود نوشتہ سوانح حیات نہایت مختصر طور پر دیئے گئے ہیں۔ خود "حیات ولی" کے مؤلف کو بھی مواد کی اس تشنگی کا احساس ہے اور چونکہ اکثر تالیفات میں سنہ تالیفات نہیں دیا گیا اس لئے ان کو کسی عصری ترتیب میں رکھنا بھی آسان نہیں۔ ممکن ہے کہ آئندہ چل کر ہمیں کوئی ایسے ماخذ مل جائیں جن سے اس پہلو پر مزید روشنی پڑ سکے لیکن موجودہ مواد کے پیش نظر تو بعض اوقات ان کے سوانح حیات کی عصری ترتیب میں دھوکا کھا جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ مثلاً حیات ولی میں اس مسئلہ کو اٹھایا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے بموجب شاہ صاحب کے عازم سفر ہونے کی ایک وجہ وہ شورش تھی جس کو دہلی کے ملاؤں نے ترجمہ قرآن کی وجہ سے اٹھایا تھا۔ حیات ولی کے مصنف نے اس روایت کی تضعیف اس بنا پر کی ہے کہ شاہ ولی اللہ بڑے دل گردے کے انسان تھے اور وہ ایسی دھمکیوں میں آکر میدان چھوڑ دینے والے نہیں تھے[1] لیکن اگر ہم اس چیستاں کو سنین و شہور کی روشنی میں دیکھیں تو یہ گتھی صاف ہو جاتی ہے۔ عبدالحق حقانی کے ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ مراجعت حرمین کے بعد آپ نے یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی خاطر قرآن مجید کا وہاں کی مروجہ زبان میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔

سلسلہ درس و ارشاد کے ساتھ ساتھ اس ترجمہ کا آغاز ۱۱۵۰ھ میں ہوا اور ۱۱۵۱ھ اس کی تکمیل ہوئی پھر سنہ ۱۱۵۱ھ سے اس کی تدریس کا سلسلہ ہوا۔

شاہ ولی اللہ کا سفر ۱۱۴۳ھ میں شروع ہوا اور وہ حج ادا کرنے کے بعد

---

[1] حیات ولی، ص [illegible]

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں اس سفر کا مقصد بہت واضح الفاظ میں بیان کردیا ہے۔ اس کے بعد کے سال میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے مقدس گھر کے حج کی اور اپنے نبی کریم کی زیارت کی توفیق دی۔ لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی سعادت جو مجھے میسر آئی وہ یہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطنی اور معرفت حقائق کا ذریعہ بنایا۔ اور اسے محض حجاب اور بے علمی کا حج نہیں رہنے دیا۔ اور اسی طرح اس نے نبی کریم کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا اور اسے بے بصری اور اندھے پن کی چیز نہ رہنے دیا۔

الغرض اس حج و زیارت کے ضمن میں جو نعمت مجھے عطا کی گئی وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے۔ اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حج کے ان مشاہدات باطنی میں جو اسرار و رموز مجھے تلقین فرمائے ہیں، ان کو ضبط تحریر میں لے آؤں نیز اپنی زیارت کے دوران میں نبی کریم کی روحانیت سے جو کچھ میں نے استفادہ کیا اس کو لکھ دوں۔ تاکہ ایک تو یہ چیز میرے لئے خود یادداشت کا کام دے اور دوسرے میرے اور بھائیوں کو اس سے بصیرت حاصل ہو سکے۔[1]

مکتوبات اور سفر حجاز

فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے محض اپنے مکاشفات اور مشاہدات بیان کئے ہیں اور اس روحانی سرمایے کو سمیٹتے وقت ان کے سامنے حرمین کے سفر کا یہی پہلو تھا۔ لیکن اگر ہم ان مکتوبات کا مطالعہ کریں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً خود حجاز میں اور اس کے بعد ہندوستان سے حرمین کے علما اور اساتذہ کو بھیجے۔ تو ان سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے علمی لحاظ سے اس سفر میں کیسے کیسے بے بہا تجربات حاصل کئے۔[2]

---

[1] تمہید فیوض الحرمین مترجمہ محمد سرور ص ۵۰

[2] ملاحظہ ہو مجموعہ مکتوبات مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی، نیز حیات ولی کے آخر میں دیئے ہوئے مکتوبات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے حرمین کے اساتذہ اور ان کی اسناد کے سلسلوں میں ایسی اثر انگیز ہستیاں شامل ہیں کہ جب شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں تو صریر خامہ رہ رہ کر زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا" کا مصداق بن جاتی ہے اور شاہ صاحب کی زبان پر بار بار یہ شعر آتا ہے۔

وعلی تفنن واصفیہ بحسنہ   یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف[1]

(ترجمہ، ان کی تعریف کرنے والا خواہ رہتی دنیا تک ان کی تعریف کرتا رہے پھر بھی کوئی نہ کوئی ایسا پہلو رہ جاتا ہے جہاں تک اس کی نظر نہیں پہنچی۔

ایک بات قدرے تعجب انگیز ہے کہ شاہ صاحب تو اپنے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے ایسے کھو جاتے ہیں جیسے کوئی شاعر محبوب کی تعریف و توصیف میں لیکن بعض سوانح نگار ان کے اساتذہ کے شمار کرنے میں بھی غلطی کھا گئے ہیں۔

مثلاً مولانا عبدالحق حقانی کی مترجم حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچے میں بیان کیا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ شیخ احمد شناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کر کے کسب فیض کیا۔ شیخ احمد قشاشی سے بھی کچھ فیضان حاصل کیا۔ ان کے علاوہ سید

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم نے اس شعر کا اکثر جگہ استعمال کیا ہے۔ ویسے تو ایک ہی توصیفی شعر کو کئی ایک شخصیتوں کے بارے میں استعمال کیا جائے تو وہ لطف معنی کھو دیتا ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے فیوض الحرمین کے دوسرے مشاہدے میں بتایا ہے کہ دو نفوس کی باہمی تاثیر کے ضمن میں جو اتحاد ہوتا ہے وہ ضروری نہیں کہ مطلقاً اتحاد ہو۔ اکثر اوقات یہ ایک قوت یا جزو کا اتحاد ہوتا ہے۔ گویا وہ مختلف بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سے ذہنی اور روحانی اتحاد کرتے ہیں تو ان کے کسی ایک پہلو کو نقطۂ اتصال بناتے ہیں۔ اس لحاظ سے مختلف لوگ گوناگوں اور بوقلموں صفات کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ شعر بھی نئے معنے اور نئی جہات پیش کرتا رہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالرحمٰن ادریسی، شمس الدین محمد بن علاء بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی۔ اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری نے بھی اکتساب فیض کیا۔[۱]

شاہ صاحب کے حرمین کے اساتذہ کے حالات بیان کرنے میں اکثر سہو ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے مشائخ الحرمین کا ذکر انفاس العارفین اور اپنے رسالے انسان العین فی مشائخ الحرمین میں کیا ہے۔

ان کے اپنے قول کے مطابق اس رسالے میں انہوں نے صرف دو گروہ شامل کئے ہیں۔ مشائخ صوفیہ اور علمائے محدثین۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ان اساتذہ کے ضمن میں فقہ اور علم الکلام یا عقائد کا کہیں تذکرہ نہیں کیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں کے واسطے سے خرقۂ صوفیہ اور اسنادِ حدیث حاصل ہوئی ہیں۔ ان الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ شاہ صاحب نے ان سب لوگوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں شاہ صاحب نے اپنے اساتذہ کی اسناد بھی دی ہیں۔ یعنی ان اساتذہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جن سے روایت کا سلسلہ آپ تک پہنچا۔ یہ ضروری نہیں کہ شاہ صاحب نے ذاتی طور پر ان سب سے استفادہ کیا ہو۔

مثال کے طور پر شاہ ولی اللہ کو کبھی شیخ احمد شناوی[۲] سے فیض اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ انفاس العارفین میں ان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ان سے شیخ احمد قشاشی[۳] نے روحانی فتوح حاصل کیں۔

شیخ احمد قشاشی ابراہیم کردی[۴] شاہ ولی اللہ کے استاد ابو طاہر الکردی کے شیخ تھے۔ ابراہیم کردی اور شیخ احمد قشاشی کی آپس میں عجیب نسبت اور روحانی تعلق تھا۔ ابراہیم کرد

---

۱ ملاحظہ ہو دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ مترجمہ عبدالحق حقانی

۲ انفاس ص ۱۷۸ انسان العین۔ ص ۱-۲

۳ انفاس ص ۱۷۹ انسان العین ص ۲-۳

۴ انفاس ص ۱۸۳ انسان العین ص ۷-۸

© rasailojaraid.com

نے ان سے حدیث روایت کا خرقہ پہنا اور ان کی صحبت میں کمالات عالیہ کا اکتساب کیا۔ شاہ ولی اللہ کو شیخ احمد قشاشی تو کیا ابراہیم الکردی سے بھی ذاتی تلمذ کا موقع نہیں ملا۔ اسی طرح ابراہیم کردی نے سید عبدالرحمٰن الادریسی سے فیض حاصل کیا تھا۔ ایک مرتبہ جب شیخ احمد قشاشی اور ابراہیم کردی کے درمیان کچھ رنجش ہوگئی اور ابراہیم کردی پر انقباض کی حالت طاری ہوگئی تو سید عبدالرحمٰن الادریسی نے اپنے روحانی تصرف سے اس کو دور کیا۔ شاہ ولی اللہ کو ذاتی طور پر سید عبدالرحمٰن الادریسی سے کبھی ملنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

اسی طرح شمس الدین محمد بن العلاء البابلی[1] کی وفات ۱۰۷۷ھ میں ہو چکی تھی۔ وہ بھی شاہ صاحب کے اسناد حدیث میں سے تھے لیکن ان کا زمانہ آپ سے پہلے کا ہے۔

شیخ عیسیٰ الجعفری المغربی[2] کی وفات بھی ۱۰۸۰ھ میں ہو چکی تھی۔ یہ بھی پہلے زمانے کے بزرگ ہیں۔ اسی طرح محمد بن محمد بن سلیمان المغربی[3] بھی شاہ ولی اللہ سے پہلے ہو چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ان کی صحیح مرویات کے اجازہ کو ان کے بیٹے وفداللہ سے حاصل کیا تھا۔ اس باب میں حیات ولی کے مؤلف سے بھی ایک سہو ہو گیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اشارات کے ضمن میں وفداللہ[4] کے حالات دیئے ہیں، لیکن اس کے تحت انفاس العارفین میں سے وہ حالات دیئے گئے ہیں جن کا تعلق ان کے والد محمد بن محمد بن سلیمان سے ہے۔

شیخ حسن عجمی[5] کی وفات ۱۱۱۳ھ میں اور شیخ عبداللہ بن سالم البصری[6] کی وفات ۱۱۳۴ھ میں ہوئی۔ اس طرح ان کا زمانہ بھی شاہ صاحب کے سفر حرمین سے پہلے کا ہے۔

---

[1] انفاس العارفین ص۱۲۲ نیز ملاحظہ ہو انسان العین فی مشائخ الحرمین ص۶

[2] انفاس، ۱۸۳۔ انسان العین، ۶

[3] انفاس، ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ انسان العین ۶۔ ۷

[4] انفاس، ۱۸۳۔ انسان العین، ۷

[5] انفاس ۱۸۶۔ انسان العین، ۹

[6] انفاس، ۱۸۹ انسان العین، ۱۲۔ ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ احمد نخلی بھی ان کے سلسلہ اسناد کی ایک کڑی ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کو ان سے بھی ذاتی طور پر استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ شاہ صاحب نے ذاتی طور پر جن اساتذہ سے استماع کیا یا اجازہ لیا وہ تاج الدین قلعی حنفی،[1] ابو طاہر الکردی[2] اور وفد اللہ بن محمد بن محمد بن سلیمان ہیں۔

پختگی اور پختہ کاری کی منزل

اس میں شبہ نہیں کہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم نے تدریس و تربیت کی غرض سے انہیں طریق دانشمندی اور طریق کتاب بینی کے ذریعے تعلیم دی۔ طریقت میں ان کی تعلیم نظری بھی تھی اور عملی بھی۔

شاہ عبدالرحیم اپنے بیٹے کے لئے ایک مثالی استاد تھے۔ چنانچہ ان کی تربیت سے شاہ ولی اللہ کے سامنے ان کے آیندہ تعلیمی لائحۂ عمل کے خدوخال اچھے خاصے ابھر آئے۔ سفر حرمین سے اس لائحۂ عمل کی مزید توثیق و تصدیق ہو گئی۔ فیوض الحرمین کے مطالعہ سے یہ اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے لئے عالم مثال اور حظیرۃ القدس کے گویا نئے دریچے کھل گئے۔ ان کی ابتدائی جھلکیاں تو ان کو شاہ عبدالرحیم کی تربیت سے ہی حاصل ہو چکی تھیں۔ لیکن طبعی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی تک پختہ کار نہ تھے۔ سفر حرمین کے دوران انہیں مذہبی اور روحانی لحاظ سے بغایت رچاؤ حاصل ہو گیا۔ ان کی روح کی وسعتیں اس نم ناک مٹی کی طرح تھیں جو طوفان رنگ و بو کا چولا بدلنے کے لئے بالکل آمادہ تھی۔

حرمین کے اساتذہ اور وہاں کی علمی فضا نے اس کے لئے ایک محرک کا کام کیا۔ قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ تو شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی زیر ہدایت کیا تھا۔ حرمین میں انہیں علم حدیث کی تعلیم اور اس کے طریق تدریس کے مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ ان کے اسا

۱؎ انفاس ۱۸۸، انسان العین ۱۰-۱۱

۲؎ انفاس ۱۹۲- انسان العین ۱۵-۱۶

۳؎ انفاس ۱۹۰- انسان العین ۱۳-۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابوطاہر کردی مدینہ میں طریق سرد کی پیروی کرتے تھے[1] وہ حدیث کے اسماء الرجال، اسناد کی تقویت یا تضعیف کے بجائے حدیث کے حسن و جمال اور انسانی اقدار سے مترنم پیغام پر زیادہ زور دیتے تھے۔ مدینے کے تعلیمی حلقوں میں ان کا حدیث کا درس پوری آبادی کے لئے ایک صلائے عام تھا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی انکی پیروی میں اس علم کو زیادہ سے زیادہ آسان بنا کر اسے زیادہ سے زیادہ سامعین تک پہنچانے کی کوشش کی۔

توافق فقہی و سلاسل صوفیا

حرمین میں قیام کے دوران شاہ صاحب کو ایسے مشائخ سے اکثر ملنے کا موقع ملا جو وسیع المشرب اور بالغ نظر تھے۔ ہندوستان کے مسلمان موجودہ زمانے کی طرح شاہ ولی اللہ کے دور میں بھی فرقہ بندی کی ہنگامہ آرائیوں میں مصروف تھے فقہا اور صوفیا کی دکانداری اس کے طفیل فروغ پا رہی تھی۔ شاہ عبدالرحیم کے ایک مکاشفے میں توان کو ایک پورا بازار دکھایا گیا جس میں صوفیا کے مختلف خانوادوں یا سلسلوں کی دکانیں سجائی گئی تھیں[2]

مسلمانان عرب آج بھی فرقہ بندیوں کے اس قسم کے اثرات سے محفوظ ہیں ہمارے ہاں کے زائرین حج کے موقعہ پر تمام دنیا کے مسلمانوں اور مختلف فرقوں کے لوگوں کو ایک ساتھ نماز اور ارکان حج ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو متعجب ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ملاقات حرمین میں اکثر ایسے مشائخ سے بھی ہوئی جو توافق مذاہب کے قائل تھے اور اپنے اقوال و

---

[1] طریق سرد سے مراد تحقیق اور معان کے برعکس حدیث یا کسی اور فن کی کتاب کا مطالعہ کرنا اور لغت زبان تلمیحات وغیرہ کی تفصیل سے بچ کر فن کے مجموعی پیغام کو پیش کرنا ہے۔ اس طریق میں سامعین کو سمجھنے کے لئے کسی خصوصی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے پیغام کا حلقہ وسیع ہوتا ہے۔

[2] انفاس العارفین ص ۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ احمد نخلیؒ بھی ان کے سلسلہ استاد کی ایک کڑی ہیں۔ لیکن شاہ صاحب کو ان سے بھی ذاتی طور پر استفادہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ شاہ صاحب نے ذاتی طور پر جن اساتذہ سے استماع کیا یا اجازہ لیا وہ تاج الدین قلعی حنفیؒ، ابو طاہر الکردیؒ اور وفد اللہ بن محمد بن محمد بن سلیمان ہیں۔

پختگی اور پختہ کاری کی منزل

اس میں شبہ نہیں کہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم نے تدریس و تربیت کی غرض سے انہیں طریق دانشمندی اور طریق کتاب بینی کے ذریعے تعلیم دی۔ طریقت میں ان کی تعلیم نظری بھی تھی اور عملی بھی۔

شاہ عبدالرحیم اپنے بیٹے کے لئے ایک مثالی استاد تھے۔ چنانچہ ان کی تربیت سے شاہ ولی اللہ کے سامنے ان کے آیندہ تعلیمی لائحہ عمل کے خدوخال اچھے خاصے ابھر آئے۔ سفر حرمین سے اس لائحہ عمل کی مزید توثیق و تصدیق ہوگئی۔ فیوض الحرمین کے مطالعہ سے یہ اندازہ بخوبی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے لئے عالم مثال اور حظیرۃ القدس کے گویا نئے دریچے کھل گئے۔ ان کی ابتدائی جھلکیاں تو ان کو شاہ عبدالرحیم کی تربیت سے ہی حاصل ہو چکی تھیں۔ لیکن طبعی عمر کے لحاظ سے وہ ابھی تک پختہ کار نہ تھے۔ سفر حرمین کے دوران انہیں مذہبی اور روحانی لحاظ سے بغایت رچاؤ حاصل ہوگیا۔ ان کی روح کی وسعتیں اس نم ناک مٹی کی طرح تھیں جو طوفان نگ و بو کا چولا بدلنے کے لئے بالکل آمادہ تھی۔

حرمین کے اساتذہ اور وہاں کی علمی فضا نے اس کے لئے ایک محرک کا کام کیا۔ قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ تو شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار کی زیر ہدایت کیا تھا۔ حرمین میں انہیں علم حدیث کی تعلیم اور اس کے طریق تدریس کے مطالعہ کرنے کا بھی موقع ملا۔ ان کے استاد

۱ے انفاس ۱۸۸، انسان العین، ۱۰-۱۱

۲ے انفاس ۱۹۲- انسان العین ۱۵-۱۶

۳ے انفاس ۱۹۰- انسان العین ۱۳-۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بظاہر گروہی حدیث میں طریق سرد کی پیروی کرتے تھے[1] وہ حدیث کے اسماء الرجال، اسناد کی تقویت یا تضعیف کے بجائے حدیث کے حسن و جمال اور انسانی اقدار سے مترنم پیغام پر زیادہ زور دیتے تھے۔ مدینے کے تعلیمی حلقوں میں ان کا حدیث کا درس پوری آبادی کے لئے ایک صلائے عام تھا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی انکی پیروی میں اس علم کو زیادہ سے زیادہ آسان بنا کر اسے زیادہ سے زیادہ سامعین تک پہنچانے کی کوشش کی۔

توافق فقہی وسلاسل صوفیا

حرمین میں قیام کے دوران شاہ صاحب کو ایسے مشائخ سے اکثر ملنے کا موقع ملا جو وسیع المشرب اور بالغ نظر تھے۔ ہندوستان کے مسلمان موجودہ زمانے کی طرح شاہ ولی اللہ کے دور میں بھی فرقہ بندی کی ہنگامہ آرائیوں میں مصروف تھے فقہا اور صوفیا کی دکانداری اس کے طفیل فروغ پا رہی تھی۔ شاہ عبدالرحیم کے ایک مکاشفے میں توان کو ایک پورا بازار دکھایا گیا جس میں صوفیا کے مختلف خانوادوں یا سلسلوں کی دکانیں سجائی گئی تھیں[2]

مسلمانان عرب آج بھی فرقہ بندیوں کے اس قسم کے اثرات سے محفوظ ہیں ہمارے ہاں کے زائرین حج کے موقعہ پر تمام دنیا کے مسلمانوں اور مختلف فرقوں کے لوگوں کو ایک ساتھ نماز اور ارکان حج ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو متعجب ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ملاقات حرمین میں اکثر ایسے مشائخ سے بھی ہوئی جو توافق مذاہب کے قائل تھے اور اپنے اقوال و

---

[1] طریق سرد سے مراد تحقیق اور امعان کے برعکس حدیث یا کسی اور فن کی کتاب کا مطالعہ کرنا اور لغت زبان تلمیحات وغیرہ کی تفصیل سے بچ کر فن کے مجموعی پیغام کو پیش کرنا ہے۔ اس طریق میں سامعین کو سمجھنے کے لئے کسی خصوصی مہارت کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے پیغام کا حلقہ وسیع ہوتا ہے۔

[2] انفاس العارفین ص ۴۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

افعال سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔ وہاں ایسے مشائخ صوفیہ کی بھی کمی نہیں تھی جو مختلف سلاسل صوفیہ کے توافق کے قائل تھے۔ شاہ ولی اللہ کے بعض مشائخ اساتذہ کا تو جامعیت پر والہانہ ایمان تھا۔ مثلاً ابو طاہر کردی کا عقیدہ تھا کہ احادیث میں توافق مذین کرتے ہوئے کسی قسم کی دقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ خود رسول کریم کی شخصیت مبارک نہایت جامع ہے اور ان کی یہ جامعیت ایسا سلطانی محلول ہے جس میں ضد اور اختلاف کے سنگریزے اپنے آپ حل ہو کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں[1]

سلاسل صوفیہ کے توافق کا بیج شاہ عبدالرحیم نے اپنے ہونہار بچے کے دل میں پہلے ہی بو دیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم کو خود چشتی قادری نقشبندی سلسلوں سے نسبت خرقہ حاصل تھی۔ لیکن ابو طاہر کردی نے تو اس میدان میں "خذ ما صفا و دع ما کدر" کو شاہ ولی اللہ کی زندگی کا ایک علمی اصول بنا دیا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کو کئی ایک سلسلوں کی بیعت اور خرقہ سے شرف یاب کیا۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں" میں نے سیشیخ ابو طاہر سے ایسا خرقہ جامع پہنا جو صوفیوں کے تمام خرقوں پر حاوی ہے[2]

ہندوستان میں شاہ صاحب کو ایسے بزرگوں سے فیض پانے کا موقع ملا تھا جو طریقت اور شریعت دونوں کے حامل تھے۔ یعنی سیشیخ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ طبقہ علما و فقہا میں بھی ایک حیثیت رکھتے تھے ان میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت تو خود ان کے والد شاہ عبدالرحیم کی تھی۔ لیکن حرمین کے سفر میں انہیں جن مشائخ سے ملنے کا اتفاق ہوا وہ تقریباً سب کے طریقت و شریعت دونوں کی دولتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے "انسان العین فی الحرمین" میں ایسے مشائخ صوفیا اور فقہا کے سوانح حیات دیئے ہیں جن سے انہوں نے حدیث کی سند یا طریقت کی نسبت حاصل کی۔ ان میں سے اکثر مشائخ اس لحاظ سے

---

[1] انفاس، ۱۹۱ - انسان العین، ص ۲

[2] انفاس العارفین، ۱۹۵

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامع الصفات تھے کہ اہل طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عام فقہا اور علما کی طرح درس و تدریس کے سلسلہ کی بھی مداومت کرتے تھے اور ظاہریت کے لحاظ سے اپنے لباس اور طرز حیات میں کسی تمیز اور مخصوص لباس یا انداز زندگی کو اختیار کرنے سے احتراز کرتے تھے اور یہی کوشش کرتے تھے کہ اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ عوامی انداز میں بسر کریں۔ مثال کے طور پر شیخ احمد قشاشی کی یہ عادت تھی کہ وہ نہ تو فقہا کے انداز میں زندگی بسر کرتے تھے اور نہ ہی زہاد کی طرز پیران کا طریق توسط اور بے تکلفی کا تھا۔ وہ کبھی امراء کے دروازوں پر نہیں جاتے تھے اگر یہ لوگ ان کے ہاں حاضری دیتے تو ان سے خوش خلقی اور بشاشت سے پیش آتے اور ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبہ کے حسب حال سلوک کرتے۔ ان میں جو ارباب سخاوت ومروت میں سے ہوتا تھا اس کا خصوصیت سے احترام کرتے اور بڑے ملائم الفاظ میں امر معروف کی نصیحت کرتے[1]

شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے بڑے چچا شیخ ابوالرضا محمد اور اپنے والد کی روزمرہ کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ وہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے[2] حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے عالمگیر اصولوں نے اچھے اساتذہ اور اچھے شیوخ کو ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا تھا اور انہیں ایسے صبغتہ اللہ یا اللہ کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ جو نہ تو کسی نسل اور قومیت کی بھٹی پر چڑھ کر اترتا تھا اور نہ ملکی اور قومی تعصب کی آنچ سے مدھم پڑتا تھا۔

مولانا عبدالحق حقانی کی مترجمہ حجتہ اللہ البالغہ کے دیباچہ کے بموجب شاہ ولی اللہ دنیا دنمود اور ظاہری نمائش وشان وشوکت سے پرہیز فرماتے تھے۔ بازار میں نکلتے تو ہمعصر پیروں اور مشائخ کے برخلاف بالکل معمولی حیثیت سے مریدین کا کوئی پرا یا ہجوم ساتھ نہ ہوتا تھا[3]"

---

[1] انفاس العارفین، ۱۸۰۔ انسان العین

[2] شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں اپنے والد و چچا کے ملفوظات اور کرامات پر تفصیلی ابواب شامل کئے ہیں۔

[3] دیباچہ حجتہ اللہ البالغہ مترجمہ عبدالحق حقانی

© rasailojaraid.com

شاہ ولی اللہ کے حرمین کے اساتذہ بھی ان کی طرح سادگی کے نمونہ تھے۔ ان کے استاد ابو طاہر کردی کے والد شیخ ابراہیم کردیؒ بڑے بڑے عماموں اور دراز آستین اور لباس خوبو اور کاوک سے نفرت کرتے تھے۔ ان کے کپڑے متوسط قسم کے ہوتے تھے۔ ان کا عمامہ منقاریہ ہوتا تھا اور دھاریدار صوف اور کوفیہ لاطیہ جو عام اہل حجاز کا لباس ہے، پہنتے تھے۔ اور مجلس میں کبھی صدر بننے اور کلام میں تقدیم کی خواہش نہیں کرتے تھے۔[1]

شیخ احمد قشاشی کے دادا شیخ یونس کا نام قشاشی اس لئے پڑ گیا تھا کہ وہ اپنی روحانی حالت کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لئے مدینہ میں قشاشہ فروش کا کام کرتے تھے یعنی گرا پڑا سامان اور پرانی جوتیوں کا کاروبار کرتے تھے۔ شیخ یونس القشاشی مدینہ میں عبدالنبی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا یہ نام اس لئے پڑ گیا تھا کہ وہ لوگوں کو اپنے پاس سے دام دے کر مسجد نبوی میں بٹھاتے تھے اور انہیں کہتے تھے کہ وہ رسول کریم پر درود بھیجیں۔[2]

شاہ صاحب کے اساتذہ اکل حلال کے معاملے میں بے حد محتاط تھے۔ شیخ عبداللہ بن سالم المصری ان کے صحیح بخاری کے اسنادوں میں سے تھے۔

شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ ان کے بیٹے شیخ[3] عالم شریف الشرفاء مکہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے تھے۔ شریف الشرفاء ترکی حکومت کی طرف سے مکہ کا حاکم ہوتا تھا۔ اس دن سے شیخ عبداللہ کھانے کے معاملے میں بڑے محتاط ہوگئے۔ ان کی سب سے بڑی احتیاط یہ ہوتی تھی کہ ان کا کھانا بلکہ نمک تک بھی شیخ سالم کے کھانے میں نہ مل جائے۔

شاہ صاحب کے حرمین کے اساتذہ محض علما و فقہا نہیں تھے۔ ان میں سے

۱۔ دیباچہ حجۃ اللہ البالغہ مترجمہ عبدالحق حقانی

۲۔ انسان العین، فی مشائخ الحرمین ص ۸

۳۔ انفاس العارفین ص ۱۷۹

انسان العین، ص ۲

اکثر و بیشتر ارباب طریقت اور صاحب دل تھے۔ ان میں سے بعض سماع[1] کو جائز سمجھتے تھے اور مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ بعض کی طبیعت میں بے انتہا گداز تھا اور ان کے کردار میں خشونت نہ تھی جو خشک ملائی ذہنیت کا خاصہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں ہمیں شاہ ولی اللہ کی زندگی کا جو اجمالی خاکہ ملتا ہے اور خود شاہ عبدالعزیز کی مجلسی زندگی میں ان کے والد کے اثرات کا جو عکس نظر آتا ہے۔ اس میں ان کی وسعت قلب اور انسانی کمزوریوں کے لئے عفو و ترحم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب نے اپنے استاد ابو طاہر کردی کے والد ابراہیم کردی کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک مرتبہ ابراہیم کردی حج کے لئے مکہ میں آئے ہوئے تھے۔ بعض لوگوں کو ملنے کے لئے نکلے تو ان کا گزر چند گانے والی لڑکیوں کے قریب سے ہوا جو گانے اور لغو و لہب میں مشغول تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شاگرد اجل سید محمد برزنجی بھی تھے۔ انہوں نے ان کی ڈنڈے سے خبر لی۔ شیخ ابراہیم نے انہیں منع کیا۔ چونکہ سید محمد برزنجی سخت طبیعت کے تھے اس لئے وہ ان کی روک ٹوک سے رنجیدہ خاطر ہوئے جب مجلس مقصود میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بھی ایک گانے والی اشعار پڑھ رہی ہے۔ اگرچہ اشعار نحو و عروض کے مطابق نہیں تھے اور عامیانہ تھے لیکن جب شیخ ابراہیم نے انہیں سنا تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی انہوں نے چہرے کو کپڑے سے ڈھانپ لیا اور زار و قطار رونے لگے۔ اہل مجلس میں جو شیخ کی آواز سنتا یا ان کے چہرہ کو دیکھتا اس پر بھی گریہ طاری ہو جاتا۔ اس میں قسی القلب اور رقیق القلب سب کی حالت یکساں تھی یہاں تک کہ خود سید محمد برزنجی پر بھی رقت طاری ہوگئی اور ان کے دل میں جو غبار تھا آنسوؤں کے راستہ ڈھل گیا[2]

---

[1] انفاس العارفین، ۱۸۹-۱۹۰
انسان العین، ۱۲ - ۱۳

[2] انسان العین فی مشائخ الحرمین، ۷ - انفاس ۱۸۴-۱۸۵

© rasailojaraid.com

اسی طرح شیخ ادریس المجوب کے لقب کے بارے میں شاہ ولی اللہ کا یہ کہنا ہے کہ وہ اکثر اپنے چہرے کو ڈھانپے رہتے تھے۔ لیکن جب مجلس سماع گرم ہوتی تو کپڑا اتار دیتے۔ اس وقت ان کے چہرے پر عجیب وغریب قسم کے انوار برسنے لگتے تھے۔ ان کو اس بات کا علم شیخ احمد نخلی سے ہوا تھا۔[1]

تصنیف وتالیف کے اصول

حرمین کے قیام کے دوران شاہ صاحب کو اصول تصنیف وتالیف پر بھی توجہ کرنے کا موقعہ ملا جب دنیائے اسلام میں تخلیقی قوت کا بے پناہ زور کم ہونے لگا تو اس کی وجہ سے تصنیف وتالیف کے اصولوں پر بھی انحطاط پیدا ہوگیا۔ ایک مصنف اچھی ضخیم کتاب کی تلخیص کرتا تھا دوسرا تلخیص در تلخیص تیار کرتا تھا اور یہ سلسلہ چلتے چلتے بالاخر دو چار صفحے کے رسالے پر منتج ہوتا تھا۔ ابن خلدون نے اس تالیفاتی رجحان پر شدید نکتہ چینی کی ہے[2] ادھر ایران توران اور ہندوستان میں شروح در شروح کا رواج تھا۔ علم الکلام اور علم عقائد کی کتابیں دلیل بازی کے گورکھ دھندوں اور معقولیات کے عقلی پھندوں کا ملغوبہ بن کے رہ گئی تھیں۔ شاہ ولی اللہ ان رجحانات سے ناآشنا نہیں تھے۔ ان کی اور ان کے والد کی کتابیں نہ تو عقلیات کی شعبدہ بازی کا مظاہرہ کرتی ہیں اور نہ وہ شروح در شروح کے گورکھ دھندے ہیں۔ ان کی تالیفات درحقیقت ایک عجیب وغریب والہانہ بے نفسی کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کی اپنی ذات تحقیق اور تصدیق کے تقاضوں کے سامنے ایسی ہے جیسے غسال کے ہاتھوں مردہ۔[3]

ان کی تصنیفات ایسی خس و خاشاک نہیں جن کو ذاتی تبحر نہیں بلکہ ذاتی تبختر کی لہریں

---

[1] الفاس ر ۱۸۲، انسان العین، ۵

[2] مقدمہ ابن خلدون باب تعلیم

[3] شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچے میں اپنے لئے اسی تشبیہ کا استعمال کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ساحل پر لا ڈالا ہو۔ بلکہ وہ تابناک موتی ہیں جو بے نفسی کے اتھاہ ساگر کی تہ میں جاگزیں تھے ممکن تھا کہ ان کے صدف بے بہا سمندر کی گہرائیوں سے نکل کر کبھی سورج کی روشنی نہ دیکھ پاتے حجۃ اللہ البالغہ کی طرح شاہ صاحب نے اپنی اکثر کتابوں میں کھلے الفاظ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان بے بہا موتیوں کو سمندر کی تہ سے نکالنے والے کون لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے دیباچوں میں ان تلامذہ کا نام لے لے کر شکریہ ادا کیا ہے جن کے سوالات کے جواب میں انہوں نے کوئی خاص رسالہ یا تصنیف مرتب کی ہے[1] تعلیمی کتابوں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ کسی عظیم تعلیمی آئیڈیل کے تحت تیار کی گئی ہوں اور ان کے لئے اس سے مقدس اور معزز مقصد کیا ہو سکتا ہے کہ اسے طالب علم کے ذہنی اور روحانی تقاضوں کی تسکین کے لئے لکھا جائے۔ شاہ ولی اللہ کے بعض دیباچوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاگرد نے اس موضوع بحث کو اٹھا کر استاد پر اتنا بڑا احسان کیا ہے جس کا حق وہ ادا نہیں کر سکتا تعلیمی تصنیف و تالیف کے اصولوں کو حرمین کے ایک استاد نے جس طرح چند الفاظ میں مقطر و منقشر کر دیا وہ بھی اپنی مثل آپ ہے۔ شمس الدین محمد بن العلاً البابلی مصر اور حرمین کے ان اساتذہ میں سے ہیں جو شاہ ولی اللہ کی استماع حدیث کے سلسلۂ اسناد میں سے تھے۔ ان کے تصنیف و تالیف کے اصولوں کو شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں بیان کیا ہے۔

شمس الدین البابلی کہا کرتے تھے کہ میں نے جو کچھ تالیف کیا، اس کو سات اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے، یا تو کوئی ایسی تالیف کی ہے جس میں کسی نے پہلے کبھی سبقت نہ کی ہو یا کسی ناقص تالیف کو بہتر بنایا۔ یا مغلق کتاب کی شرح کی۔ یا طویل کتاب کا اختصار لیکن اختصار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں عبارت کثرت اختصار سے بے معنی نہ ہو جائے، یا کوئی چیز باہم خلط ملط تھی تو اسے نئے سرے سے ترتیب دیا یا کسی کتاب میں مصنف نے غلطی کی تو اس پر متنبہ کیا

---

[1] شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے شاگرد محمد عاشق پھلتی کا جو سفر حرمین میں ان کے ہمراہ تھے۔ اس کتاب کی تالیف کے ضمن میں خاص شکریہ ادا کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا کوئی کتاب پراگندہ تھی تو اس کو جمع کر دیا۔ شمس الدین البابلی کی رائے ہے کہ تصنیف وتالیف میں اس کے سوا کچھ اور کیا جائے گا تو وہ محض تضیع اوقات ہوگا۔[1]

طریق دانشمندی یا طریق تدریس

شاہ ولی اللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم ہی نہیں کی بلکہ طریق تدریس بھی سیکھا۔ کو وہ طریق دانشمندی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کے اصول وضوابط رسالۂ دانشمندی میں بیان کیا ہے۔[2]

طریق تدریس کی اہمیت کا احساس انہیں شاہ عبدالرحیم نے ہی دلایا تھا۔ حرمین۔ قیام میں انہوں نے وہاں کے اساتذہ کے تدریسی طریقوں پر خاص توجہ دی اس زمانے: حرمین کے علما کتابیں پڑھانے کا اجازہ تو کئی ایک اساتذہ سے لیتے تھے لیکن درس طریق کسی خاص استاد سے ہی حاصل کرتے تھے۔ شیخ تاج الدین قلعی حنفی مکہ کے مف تھے انہوں نے اس دور کے کئی ایک کبار علماء سے اجازے حاصل کئے تھے۔ لیکن درس طریق شیخ احمد قحطان سے حاصل کیا تھا۔ ان کی خدمت میں انہوں نے کئی سال گزارے شاید طریق تدریس کی اس خوبی کی وجہ سے ہی جب شیخ احمد کا انتقال ہوا تو دوسرا نے جن میں شیخ عبداللہ بصری اور شیخ احمد نخلی بھی تھے۔ شیخ تاج الدین کو مجبور کیا شیخ احمد قحطان کی جگہ کعبہ کے زیر سایہ مصلیٰ مالکی پر بیٹھیں اور جس طرح شیخ کی عادت قرأت کریں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے یہ ایک امر عظیم القدر تھا کہ ایسے اکابرین کے ہوتے ان کے سامنے ایسی جسارت کروں۔ اس لئے میں نے قبول نہ کیا۔ لیکن ان کی طرف سے

---

[1] انفاس العارفین، ۱۸۲، انسان العین ۵-۶

[2] رسالہ دانشمندی مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی۔ اس فارسی رسالے میں شاہ صاحب نے تعلیمی طریق اور کتاب بینی کی منازل دی ہیں جسے انہوں نے اپنے والد سے تحصیل کیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد سے بڑھتا گیا۔ اس وقت شیخ حسن عجمی طائف میں تھے۔ انہیں اس بارے میں خط لکھا تو جواب میں انہوں نے مشائخ کی درخواست کو قبول کرنے پر ہی زور دیا۔ میں نے اس سلسلہ میں ہر جانب سے استمداد چاہی استخارہ کے بعد ان کا حکم بجالانے کا فیصلہ کیا اور بخاری کی قرأت اس جگہ سے شروع کی جہاں سے شیخ احمد قحطان نے اسے چھوڑا تھا۔ جب اس کا ختم ہوا تو اس میں تمام علما اور مشائخ نے حاضری دی[1]

شاہ ولی اللہ نے شیخ تاج الدین قلعی حنفی سے بعض احادیث کی کتابیں سماعت کیں۔ قدرے کتب ستہ میں سے اور قدرے موطا امام مالک و مسند دارمی و کتاب الآثار امام محمد موطا کو بھی ان سے سماع کیا۔ انہوں نے تمام جماعت کو ان کتابوں کا اجازہ دیا اور بقول شاہ ولی اللہ وہ خود بھی اس جماعت میں شریک تھے[2]

شیخ ابو طاہر الکردی

شاہ عبدالرحیم کے بعد شاہ ولی اللہ کی تعلیمات پر سب سے زیادہ اثر شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی کا معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کو اپنے اس مدنی شیخ سے کچھ ایسی ہی والہانہ عقیدت تھی جیسی ان کو اپنے والد سے تھی شیخ ابو طاہر سے ان کی اس گہری نسبت کے کئی ایک اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ ابو طاہر کردی بھی حدیث کا درس اسی والہانہ رنگ میں دیتے تھے جس کی جھلک ہمیں مدرسہ رحیمیہ کی روایات میں ملتی ہے۔ اس میں روحانی رچاؤ اور جذباتی گہراؤ ذہنی خلوص اور دیانت کی دلچسپ آمیزش تھی۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ابو طاہر الکردی جب احادیث رقاق پڑھتے تھے تو آنکھیں آنسو سے بھر آتی تھیں اور جب کبھی مذاکرہ کی نوبت آتی تھی تو تھوڑے بہت اعتراض پر بھی جب تک پورا

---

[1] انسان العین، ۱۵
انفاس، ۱۹۲ - ۱۹۳

[2] انفاس العارفین ۱۹۲ - ۱۹۳، انسان العین ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غور وخوض نہیں کر لیتے تھے اور مآخذ دن کا مطالعہ نہیں کرتے تھے اس وقت تک جواب نہیں دیتے تھے[1] توافق مذاہب، توافق حدیث اور توافق سلاسل اولیا شاہ صاحب کی فطری اور علمی زندگی کے اہم ارکان ہیں۔ اور اگرچہ شاہ عبدالرحیم کی تربیت سے ان کا ذہن اس توافق کے لئے تیار ہو چکا تھا لیکن ابھی اس پر حرمین کے ایک مستند شیخ کی مہر ثبت ہونا باقی تھی۔ ویسے بھی اسلامی دنیا میں ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ ایسے اختلافی مسائل پر جن کی اہمیت آفاقی قسم کی ہوتی ہے۔ حرمین کے علما اور شیوخ سے استصواب کیا جاتا ہے۔

ابوطاہر الکردی اور شاہ ولی اللہ دونوں میں ایک وجہ مماثلت یہ بھی تھی کہ انہوں نے بھی شاہ صاحب کی طرح اپنے والد سے تحصیل علوم کی تھی۔ اس زمانے میں اکثر علم و روحانیت کا سلسلہ المذہب خاندانوں میں پشت در پشت چلتا تھا اور علما اپنے خاندان کے بزرگوں سے نہ صرف علمی اجازہ حاصل کرتے تھے بلکہ سلوک کا فیضان بھی حاصل کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے استاد شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی نے بھی اپنے والد سے خرقہ حاصل کیا تھا۔ ان کے والد نے ان کے لئے بہت سے بزرگوں سے اجازت حاصل کی تھی۔ ان میں سے شیخ محمد سلیمان مغربی بھی تھے۔ انہوں نے کتب عربیہ سید احمد ادریس مغربی سے پڑھی تھیں۔ یہ اپنے زمانہ کے سیبویہ یعنی نحو کے امام تھے۔

اعتقاد اور اجتہاد

شاہ ولی اللہ اپنے استاد کے علمی اور روحانی کمالات سے بے حد متاثر تھے۔ لیکن اس والہانہ جذبے کے باوجود انہوں نے اپنی انفرادیت اور اجتہاد کو برابر محفوظ رکھا ان کے استاد خود بھی ان کی خوبیوں کے معترف تھے۔ ابوطاہر کردی کہتے تھے کہ شاہ ولی اللہ مجھ سے حدیث کے الفاظ لیتے ہیں۔ میں ان سے معنی لیتا ہوں[2] ان الفاظ میں کیسی

---

[1] انفاس العارفین ۱۹۱ — [illegible] ۱۳۳-۱۳۴

[2] دیباچہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ عبدالحق حقانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعیت، کس قدر اختصار اور کتنا انکسار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ استاد اور شاگرد کی شخصیتیں گھل مل کر یک جان دو قالب ہو گئی تھیں۔ اگر ہم اس جملے سے یہ نتیجہ اخذ کر لیں کہ درس حدیث کے میدان میں استاد اور شاگرد نے آپس میں تقسیم کار کر لیا تھا تو ہم حقیقت سے زیادہ دور نہیں ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ نے وابہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ جس طرح اجتہاد اور آزادی رائے کو قائم رکھا۔ اس کی مثال ہمیں ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوطاہر اپنے استاد سید احمد ادریس کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ان کے شاگردوں میں سے ایک نے مسجد نبوی میں نماز کی امامت کرتے ہوئے سورۂ تبّت یدا کی قرأت کی۔ جب وہ سید احمد ادریس کے پاس آیا تو انہوں نے بڑی خفگی کا اظہار کیا۔ اور کہنے لگے کیا تم رسول کریم کے سامنے ایسی سورت قرأت کرنے کی جرأت کرتے ہو جس میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے رسول کو جس طرح چاہے خطاب کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ہماری حد ادب نہیں کہ ایسی جسارت کر سکیں۔ شاہ ولی اللہ کے اس واقعہ کے بیان کے قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شیخ ابوطاہر اپنے شیخ کی رائے سے متفق تھے۔ لیکن شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ اگرچہ ایسی باتیں رسول کریم کے ساتھ محبت و عقیدت کے جذبے کی بنا پر کہی جا سکتی ہیں لیکن اصل معیار صحابہ اور تابعین کی عادت کو رکھنا چاہیئے۔ ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ یہ سورت حضرت پیغمبر کی منقبت عظیم اور فضل کبیر پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں خدائے تعالیٰ نے حضور کے ایک جانی دشمن پر اس لئے لعنت کی ہے کیونکہ اس نے حضور کی شان میں سوء ادب کا اظہار کیا تھا[1]

مولانا عبید اللہ سندھی کو ان تعلیمی اثرات کا جو شاہ صاحب پر قیام حرمین کے دوران میں مترتب ہوئے پورا احساس تھا۔ شیخ ابراہیم کردی اور شاہ ابراہیم کی ذہنیت متفاوت تھی کیونکہ ان دونوں کا سلسلۂ تلمذ جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے[2] بنابریں شیخ ابوطاہر

---

[1] انسان العین ۱۳-۱۴ - انفاس العارفین ۱۹۰-۱۹۱

[2] الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر ص ۲۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صحبت شاہ ولی اللہ کو بہت راس آئی۔

مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں۔

ہم نے شیخ ابراہیم کردی کے بہت سے رسالے مطالعہ کئے۔ وہ شریعت اسلامیہ کو ابن عربی کے فلسفہ سے حل کرتے ہیں اور اس بات میں وہ ایک مستقل مفکر اور امام کا درجہ رکھتے ہیں[1]

شیخ ابراہیم کی تاثیر شیخ ابوطاہر کے ہر قول اور فعل میں نظر آتی ہے۔ ہماری سمجھ میں ان دو مختلف طریقوں کا (شاہ صاحب کے والد اور چچا کا طریق اور دوسرا شیخ ابوطاہر مدنی اور شیخ ابراہیم کے دوسرے شاگردوں کا طریق جو حرمین میں تھے) ایک فکر پر متحد ہونا۔ شاہ صاحب کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ ہے۔ کوئی عالم خواہ کسی مذہب و ملت کا ہو اگر اس کی تعلیمات شاہ صاحب کے اساسی فلسفہ پر پوری اترتی ہے تو وہ سب عالم شاہ صاحب کے ہاں مصیب ہیں۔ ان کے مختلف قول جمع کرنا ان میں تطبیق دینا شاہ صاحب کا علمی کمال ہے[2]

طریق تعلیم

ابوطاہر کردی کا طریق تعلیم، تحقیق اور انصاف پر مبنی تھا۔ مذاکرات میں اگر معمولی سا اعتراض بھی کیا جاتا تو جب تک اس کے جواب میں پوری تحقیق اور پورا غور و فکر نہ کر لیتے

---

[1] ان کے صاحب زادے ابوطاہر الکردی نے بیان کیا ہے کہ ان کے والد ابن عربی کی تالیفات کو نظری لحاظ سے ہی نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے الجزء اللطیف میں معقولیات کی اسناد دی ہیں۔ جن میں اکثر سرآمد روزگار معقولیین کے نام ہیں ان اسناد کا سلسلہ صدرالدین شیرازی اور امام اشعری تک پہنچتا ہے۔

[2] فرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر مضمون مولانا عبیداللہ سندھی صہ ۲۵۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب نہیں دیتے تھے۔

ان کے والد ابراہیم کردی کا طریق تدریس بھی مناظرہ اور مفاوضہ کا تھا۔ وہ یہ دیکھتے تھے کہ کیا کہا ہے اور اس بات کی پروا نہیں کرتے تھے کہ کس نے کہا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں کوئی اعتراض کرتا تھا تو توقف کرتے اور جب تک طریق تحقیق اور اتقان سے اس کی دفع شکل نہیں کر لیتے تھے اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے۔ اسی لئے عبداللہ عیاشی نے کہا تھا کہ ان کی مجلس ریاض الجنۃ کا ایک باغ ہے۔[۱]

شاہ صاحب کے اساتذہ حرمین اور ہندوستان کے اساتذہ میں ایک وجہ مشترک یہ بھی تھی کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم اور ابو طاہر کردی کی معقولیات کی اسناد جلال الدین دوانی سے جا ملتی تھیں۔ اس لئے فلسفہ اور تصوف کے بارے میں ان کے حرمین کے اساتذہ کے موقف میں وہی ٹھہراؤ اور توازن تھا' جو ان کے والد میں تھا۔ شیخ ابراہیم کردی جب حکمت کے مسائل پر تقریر کرتے تھے تو کلام صوفیہ کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے فلسفی لوگوں نے حق کے معاملے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں اور اس کی جانب ہدایت نہیں پاسکے۔

ہمارے ان پرانے مصنفین کے بارے میں جنہوں نے سوانح حیات' تذکروں یا اسماء الرجال پر کام کیا ہے۔ مستشرقین کا یہ اعتراض ہے کہ یہ لوگ سوانح حیات پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض ایسی ٹکسالی قسم کی توصیفی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو تواتر استعمال کی وجہ سے گھس پٹ چکی ہیں اور اپنی خصوصی اور امتیازی معنویت کھو بیٹھتی ہیں۔ یہ اعتراض دوسرے مصنفین کے بارے میں تو ایک حد تک جائز ہوگا۔ لیکن شاہ ولی اللہ نے اپنے اساتذہ اور شیوخ کے بارے میں جو مختصر قسم کے "خاکے" سپرد قلم کئے ہیں' وہ اکثر اوقات ان باکمال مصوروں کا اندازہ رکھتے ہیں جو چند ایک تخلیقی خطوط سے شخصیت کا کردار اجاگر کردیتے

---

[۱] انفاس العارفین' حالات ابراہیم الکردی' ص ۱۸۴-۱۸۵

الشان العین ۱۳-۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ اس ضمن میں وہ جستہ جستہ عربی اور فارسی کے اشعار بھی لاتے ہیں جو اکثر ان کے اپنے ہوتے ہیں۔ یہ اشعار زیر بحث شخصیت کے خد و خال کو ایسی جامعیت اور ایسے والہانہ اور جذباتی انداز میں اجاگر کرتے ہیں، جیسے کسی دھندلکے میں بجلی سی چمک گئی ہو۔ یہ چہرے زیر تبصرہ شخصیت کے اخلاقی، ذہنی اور روحانی پہلوؤں کو ہی نہیں پیش کرتے بلکہ خود شاہ صاحب کو اس ہستی سے جو نسبت اور تعلق ہے، اس پر بھی دل چسپ روشنی ڈالتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے حرمین کے اساتذہ کے حالات انفاس العارفین اور انسان العین فی شیوخ الحرمین میں دیتے ہیں۔

لیکن ان کی والہانہ عقیدت کا اندازہ ان مکتوبات سے بھی ہوتا ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً ابو طاہر الکردی، ان کے صاحبزادے اور دوسرے لوگوں کو لکھے ہیں۔

مکتوبات کا آئینہ

شاہ صاحب کے مکتوبات کی اہمیت محض رسائل اور انشائیات ہی کی نہیں۔ اپنے زمانے کے دوسرے بزرگوں کی طرح ان کے مکتوبات ایک عظیم تعلیمی پیغام کے حامل ہیں اور بعض پہلوؤں سے ان کی تعلیمی افادیت، نصابی کتب سے بھی زیادہ ہے۔ مکتوبات کا لکھنے والا اپنے مخاطب سے براہ راست رابطہ قائم کرتا ہے۔ اس رابطے میں گہرے انسانی تعلقات کا رنگ جھلکتا ہے۔ چونکہ لکھنے والا مخاطب پر بھرپور اثر ڈالنا چاہتا ہے اور اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ اس کی زبان میں تکلف اور بناوٹ کو بہت کم دخل ہوتا ہے اور اس کا بیان جذبات کی سچی ترجمانی کرتا ہے۔ مکتوبات میں انسانی اور جذباتی رابطوں کی ایسی سحرکاری ہوتی ہے جس کا مخاطب پر بھی بھرپور اثر ہوتا ہے اور مکتوب کے دوسرے قارئین بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اس بات کا افسوس ہے کہ شاہ صاحب کے مکتوبات کا کوئی مکمل مجموعہ ابھی دستیاب نہیں ہو سکا[1]

---

[1] شیخ منظور نعمانی نے فرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مکتوبات کے ایک اور مجموعہ مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلاثہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پ کے مکتوبات کا وہ مجموعہ جو عبدالاحد صاحب کی فرمائش پر مجتبائی پریس دہلی میں چھپا
س میں مکتوب مدنی کے علاوہ آپ کا حرمین کا کوئی مکتوب شامل نہیں۔ البتہ حیات ولی کے
ؤلف نے اپنی کتاب کے آخر میں چند ایک ایسے مکتوب دیئے ہیں جن کا تعلق قیام حرمین
سے ہے ان میں چند ایک مکتوب شیخ ابوطاہر الکردی کے نام ہیں۔ ایک خط میں ان کی فرط عقیدت لبریز
جام کی طرح چھلک چھلک جاتی ہے یہ مکتوب اس مسرت و بشاشت کی تصویر پیش کرتا ہے جو استاد کی
آمد آمد کا سن کر شاگرد کے دل میں کروٹیں لینے لگتی ہے۔ شاہ ولی اللہ کو خانہ کعبہ کے خادم شیخ عمر کے ذریعہ سے
پتہ چلتا ہے کہ ابوطاہر الکردی حج کے لئے مدینہ سے تشریف لا رہے ہیں یہ خط اسی جوشش و انبساط کے
عالم میں شروع کیا گیا ہے۔ ابوطاہر رمضان کے روزے مکہ میں رکھ رہے ہیں۔ عشرہ
کا اعتکاف بھی خانہ کعبہ میں کر رہے ہیں شاہ صاحب شیخ عمر سے خبر سنتے ہیں تو خبر
سنانے والے کو دعا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "جیسے اس نے مجھے خوش کیا ویسے خدا اسے
بھی خوش کرے۔" شیخ عمران کے قیام کے لئے مکان کا انتظام کر رہا ہے۔ شاہ صاحب فرط
مسرت سے اپنے آپے میں نہیں۔ کہتے ہیں۔

فناغ الی الشراب وکنت قبلا اکاد اغص بالماء الفرات

مکتوب میں ابوطاہر کردی کا نام آتا ہے تو ان کی کیفیت غالب کے اس شعر
کے مصداق ہو جاتی ہے۔

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

لکھتے ہیں "جناب کی بزرگی اور فضیلت اس سے بلند ہے کہ اس کے بارے میں کلام کیا
جائے اور آپ کی ذات گرامی اس سے بالاتر ہے کہ میں جناب کا نام صراحتہً لے سکوں یا کسی
رمز اور نشان سے معین کروں۔

ومن العجائب ان افوه بذکرہ
ولقد اغار بان یمر بخاطری

اگر میں اس کا ذکر زبان تک بھی لاؤں تو یہ عجائبات میں سے ہوگا۔ مجھے اس بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے بھی غیرت آتی ہے کہ وہ خیال میں بھی میرے دل سے گزر کرے آپ ان ہستیوں میں سے ہیں جن کو میں اپنے دل میں حاضر پاتا ہوں اور جو زندگی بھر مجھ سے کبھی غائب ہو سکتی ہیں اور نہ غروب۔ میں آپ کی ہستی کو اپنی نظروں کے سامنے متمثل دیکھتا ہوں اور وہ کبھی میرے سامنے سے دور نہیں ہوتی۔

ابو طاہر کردی کی شخصیت، علمی اور روحانی اقتدار کا عجیب وغریب مجموعہ تھی اور جس محبت اور ملاطفت سے وہ شاگردوں سے پیش آتے تھے۔ اس کے تاثرات طلبا کے دلوں پر ایک ابدی نقش چھوڑ جاتے تھے۔

شاہ صاحب ایک خط میں اسی ملاطفت کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اخذتمونی بیمنی فی ملاطفتہ   فلست اعرف غیرہ اقد عرفتکم

تم نے مجھے اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور جب سے میں نے تم کو پہچانا ہے۔ کسی اور کو نہیں پہچانا۔

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ   یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

استاد سے الوداع

شاہ ولی اللہ استاد سے جب ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے لگے تو اس وقت ان کے دل میں ایک بے پناہ قسم کا اضطراب اور بے چینی تھی۔ شاہ صاحب کی زندگی میں ہمیں ان کے عشقیہ یا جمالیاتی تجربات کا تو پتہ نہیں چلتا لیکن ان اشعار میں محبت کے اس طوفانی سمندر کی لہروں کی گونج سنائی دیتی ہے جو ان کے قلب کی گہرائیوں میں موجیں مار رہی تھی۔ جدائی کی اس گھڑی میں دل پر جو کچھ گزری ہے اس کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

واللہ لو حلف العشاق انھم
تتلوامن الحب یوم البین ماحنثوا

خدا کی قسم اگر فراق کے دن عشاق یہ حلف اٹھا کر کہیں کہ وہ جدائی کے روز محبت کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے تو جھوٹ نہیں ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استاد سے رخصت ہوگئے لیکن رنج کے مارے راستہ نہیں سوجھتا۔ کہتے ہیں۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یودینی لربعکم[1]

میں جتنی راہیں جانتا تھا سب بھلا بیٹھا ہوں بس ایک وہی راہ یاد رہی ہے جو مجھے تمہارے گھر تک لے جاتی ہے۔

مبارک تھا وہ زمانہ جب معلم اور متعلم کے مراسم ان بلندیوں پر تھے عاش حمیداً وماتَ شہیداً جینا اور مرنا ان ہی لوگوں کا تھا۔

شیخ ابوطاہر الکردی کی وفات ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔ شاہ ولی اللہ نے اسی سال حج سے مراجعت فرمائی تھی۔

اہل حجاز سے خط وکتابت

مکتوبات سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین سے واپسی کے بعد حرمین کے مشائخ کے ساتھ شاہ ولی اللہ کا سلسلہ خط وکتابت برابر جاری رہا۔ ان میں سے ایک محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے صاحبزادے وفداللہ بھی تھے۔ جن سے آپ نے بعض صحیح مرویات کے اجازے حاصل کئے تھے۔ ان میں سے بعض خطوط ابوطاہر الکردی کے صاحبزادے ابراہیم کے نام تھے۔ شاہ صاحب اپنے ایک خط میں شکایت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر بہت سے خطوط آپ کی خدمت میں روانہ کئے گئے، لیکن آپ نے جواب سے شرف یابی نہیں بخشی اس پر درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس خط کے حامل کی معرفت جواب تحریر فرمائیں اور ان مشرف مقامات سے جو بھی کوئی آنے والا ہو اس کے ہاتھ خط بھیجیں۔ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے

---

[1] شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ ابوطاہر الکردی سے رخصت ہوئے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا جسے سن کر استاد آہ وبکا کی وجہ سے بیقرار ہوگئے نیز دیکھئے انسان العین، ۱۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنقید و تبصرہ

تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم بی بی ایس۔ شائع کردہ دارالاشاعت الاسلامیہ۔ کرشن نگر لاہور

زیر نظر کتاب کے مصنف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جماعت اسلامی کے رکن رہ چکے ہیں، اور ان کی یہ کتاب دراصل ایک بیان ہے جو انہوں نے بحیثیت رکن جماعت اسلامی اکتوبر ۵۶ء میں جماعت اسلامی کی مقرر کردہ جائزہ کمیٹی کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

گو اس بیان کے کچھ عرصہ بعد موصوف نے جماعت اسلامی سے قطع تعلق کر لیا۔ لیکن انہوں نے فوراً ہی اس بیان کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اب تقریباً دس سال کے بعد وہ اس بیان کو کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

مصنف نے جماعت اسلامی سے مستعفی ہوتے وقت جو خط لکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خلوص سے جماعت میں داخل ہوئے اور کن باطنی مجبوریوں نے انہیں قطع تعلق پر آمادہ کیا۔ اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے:۔

"........ اپنے بیان جائزہ کمیٹی کے تحریر کرنے کے ایک سال قبل سے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں اور اس واقع کو بھی آج چھ ماہ سے اوپر کا عرصہ ہو چکا ہے، جس میں میں نے جذبات سے خالی ذہن کے ساتھ بھی اور جذبات کی رفاقت کے ساتھ بھی دونوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح مسلسل غور کیا ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کی دعا کرتے ہوئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ جب اندر آیا تھا تو ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا کے ساتھ رب ادخلنی مدخل صدق کی دعا کرتا ہوا آیا تھا۔ اور آج جب باہر جا رہا ہوں تو اپنے اللہ سے واخرجنی مخرج صدق کی دعا کرتا ہوا جا رہا ہوں ......۔ (تحریر ۲۹ رمضان المبارک ۷۶، ۱۳ھ بحالت اعتکاف)

ڈاکٹر صاحب کے اس پورے بیان کا لب لباب یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے دو دور ہیں' جہاں تک اس کے پہلے دور کا تعلق ہے جو قیام پاکستان سے پہلے کا ہے۔ وہ مجملاً صحیح تھا۔ اور اس دور میں اس کی حیثیت ایک اصولی اسلامی تحریک کی تھی۔ لیکن بقول ان کے دور ثانی میں ایک اصولی اسلامی جماعت کی خصوصیات کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ یہ ایک خالص بے اصولی قومی جماعت کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو یا تو واقعی اسلام پسند ہے یا اپنی قوم میں برسر اقتدار آنے کے اسلام کو بطور نعرہ استعمال کر رہی ہے۔"

مصنف نے صفحہ ۷۴ سے لے کر صفحہ ۱۰۵ تک تحریک جماعت اسلامی کے دور اوّل کے بنیادی افکار و نظریات پیش کئے ہیں۔ اور ان سے یہ نتیجہ نکالا ہے :-

"واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک کا یہ دور اوّل کم از کم ظاہری اعتبار سے بالکل وہی نقشہ پیش کرتا ہے' جو ہمیشہ سے انبیائے کرام علیہم السلام کی تحریکوں کا خاصہ رہا ہے بالکل وہی افکار و نظریات و عقائد۔ اور بعینہ وہی دعوت پیش کی گئی کہ جو انبیائے کرام پیش کرتے آئے ہیں اور بہت حد تک وہی نصب العین اختیار کیا گیا اور اس کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا گیا کہ جو ان کی تحریکوں میں اختیار کیا جاتا رہا ہے۔ ان دونوں کے نقوش میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور بنظر ظاہر ان میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔"

ہمارے نزدیک محترم ڈاکٹر صاحب کا جماعت اسلامی کے بارے میں یہ محض حسن ظن ہے۔ اور جماعت اسلامی کی یہ تحریک جس ایک شخصیت کی ذہنی اور عملی سرگرمیوں کا حاصل ہے

© rasailojaraid.com